# وراقت: کتاب منزل بمنزل

از
مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، کانو، نائجیریا،

عہد عباسی میں علوم و فنون کی تدوین اور کتابی صورت میں ان کی اشاعت ایسی تیزی سے کی گئی تھی کہ نقل و اشاعت کے لیے ایک نئی صنعت اور نیا علم وراقت وجود میں آیا تھا، صنعت وراقت، کاغذ سازی، جلد سازی، سامان کتابت (تصحیح و ضبط اعراب) سے عبارت تھی۱، جیساکہ سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، صنعت وراقت کا تعلق انسان کے علوم و افکار سے ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۲، علوم و معارف اور اعلی صنعتیں جو انسان کی فکری کاوشوں کے نتائج ہیں کمال تمدن کی ضامن اور آرائش و زینت کا موجب ہیں۳۔

کتابت، طباعت اور موسیقی وہ صنعت ہیں جو بادشاہوں (وزیروں اور امیروں) سے ربط و ضبط اور رسائی کا ذریعہ رہی ہیں، اس لیے ان صنعتوں کو دوسری صنعتوں کے مقابلہ میں اہمیت اور برتری حاصل ہے۴، عہد عباسی اور اس کے بعد مسلم حکمرانوں کے دور عروج میں وراقت و کتابت کی صنعت کو بہت فروغ حاصل تھا، مورخ ابن خلدون کہتا ہے:

---

۱ ابن خلدون، المقدمہ ص ۵۵۷، القلقشندی، صبح الاعشیٰ ج ۲، ص ۴۷۸، ۴۸۲، السمعانی، کتاب الانساب ورق ۵۷۹،
۲ ابن خلدون، ص ۴۱۳، ۴۱۵، ۳ ایضاً ص ۴۲۲، ۴۲۳، ۴ ایضاً،



"صنعت وراقت ملت اسلامیہ میں عراق سے اندلس تک ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح تھی، متمدن آبادی اور اطراف مملکت میں اس کی گرم بازاری تھی، کثرت سے علمی کتابیں لکھی جاتی اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی نقلیں لی جاتی، جلدیں بندھوائی جاتی تھیں، کاتب، وراق، نقل، تصحیح، جلد سازی اور دوسرے کاموں میں بہت مشقت اٹھاتے تھے، یہ صنعت بڑے بڑے آباد شہروں میں خصوصیت سے بہت ترقی پر تھی۱۔"

اس صنعت کے مرکز توجہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے علم و دانش میں اضافہ اور معیشت کو مستحکم کرنے کا موثر ذریعہ رہی ہے، ابن خلدون کہتا ہے:

"صنعت کتابت چونکہ متعدد علوم پر مشتمل ہے، اس لیے یہ دوسری صنعتوں کے مقابلہ میں زیادہ عقل سکھاتی ہے، کتابت میں خطی حروف سے الفاظ کی طرف اور الفاظ سے معانی کی طرف، پھر ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف ذہن کی رسائی ہوتی ہے، اس سے نفس انسانی میں دلائل سے مدلولات کی طرف منتقل ہونے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، یہ ملکہ نظر عقلی سے عبارت ہے، نامعلوم علوم کو حاصل کرنے اور انھیں بار بار سمجھنے سے عقل و دانش میں اضافہ ہوتا اور معاملہ فہمی میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۲۔"

عہد عباسی میں صنعت وراقت نظری و عملی ہر دو پہلوؤں سے اہل علم کی مرکز توجہ بنی ہوئی تھی، چنانچہ مشہور فلسفی ابوزید، احمد بن سہل بلخی (۲۳۵-۳۲۲ھ = ۸۴۹-۹۳۴ء) نے فضل صناعۃ الکتابۃ و وراقت کی فضیلت میں ایک رسالہ لکھا تھا۳، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلخ اور دوسرے اسلامی شہروں میں صنعت وراقت ایک معزز پیشہ سمجھی جاتی تھی، نیز ابوحیان توحیدی المتوفی سنہ ۴۱۴ھ نے وراقت کے موضوع پر ایک رسالہ ترتیب دیا تھا جس میں کتابوں کے نقل کرنے کے اصول اور ورقوں کی تصحیف سے بچنے کے قواعد بیان

---

۱ ابن خلدون ص ۵۵۷، ۲ ایضاً ۴۲۶، اویس وفا ابن محمد الارزنجانی، منہاج الیقین شرح ادب الدنیا والدین، آستانہ محمود بک مطبعہ سی ۱۳۲۸ھ، ص ۳۷۰، ۳ معجم الادباء ط ۲ القاہرۃ، مطبعۃ ہندیہ ج ۱، ص ۱۴۳،

کیے تھے[۱]

**سوق الوراقین** ان وجوہ سے عہد عباسی میں صنعت وراقت اور دوسرے اہم مسائل جن کا تعلق اس صنعت اور سوق الوراقین سے ہے اسلامی قلمرو میں ان سے خصوصی اعتناء کیا جاتا تھا، سوق الکتب میں جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، مہلب المتوفی ۸۳ھ اپنے فرزندوں سے کہتا تھا تم بازاروں میں صرف سوق حرب (جہاں سامان حرب و ضرب بکتا ہے) اور سوق الوراقین میں بیٹھا کرو[۲] اور عربی شاعر کہتا ہے:

مجالسة السوق مذمومة ومنها مجالس قد تخشب

(بازاروں میں اٹھنا بیٹھنا اچھا کام نہیں ہے لیکن بازاروں کی بعض بیٹھکیں لائق عزت ہیں)

فلما تقربن غیر سوق الجیاد وسوق السلاح وسوق الکتب

(لہٰذا تم گھوڑوں، ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار کے علاوہ کسی بازار میں نہ پھٹکنا)

فهاتیك آلة اهل الوغی وهاتیك آلة اهل الادب

(کیونکہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کا بازار مردانِ کارزار کے سامان کا بازار ہے، اور کتابوں کا بازار اہل ادب کے سامان کا بازار ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ آباد اور پر رونق گھوڑوں، ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار تھے، نیز عربوں کو اپنے تہذیبی و ثقافتی مرکز و سرمایہ سے کیسی دلچسپی و رغبت تھی، اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرے میں سیف و قلم کے بازار ہی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اور ان ہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، یہ ترغیب کتب اور کتب خانوں کی نشر و اشاعت، تشہیر اور علمی افادہ و استفادہ کا باعث تھی،[۳]

---

[۱] معجم الادباء ط ۲، القاہرة، مطبعة ہندیہ ج ۵، ص ۱۳ [۲] کتاب العقد الفرید لابن عبد ربہ القاہرة، مطبعة لجنة التالیف والترجمة والنشر ۱۳۶۹ھ ج ۲ ص ۲۱۰ [۳] الخطط المقریزیة القاہرة، دار الطباعة المصریة بولاق ۱۲۷۰ھ ج ۲، ص ۱۰۲



**سوق الوراقین کی کثرت** عہد عباسی میں اسلامی قلمرو کے ہر شہر میں سوق الوراقین پایا جاتا تھا، لیکن مرکزی شہروں کے سوق الکتب کو شہرت حاصل ہوتی تھی، ان میں مندرجۂ ذیل شہروں کے سوق الکتب کو تاریخ میں زیادہ شہرت حاصل رہی ہے، کوفہ[۱]، بصرہ[۲]، بغداد[۳]، واسط[۴]، دمشق[۵]، قاہرہ (قاہرہ کے محلہ فسطاط میں جامع عمرو بن العاص کے مشرقی گوشہ کی طرف بہت بڑا سوق الوراقین تھا[۶])، بخارا[۷]، مصر۔

**سوق الوراقین کی علمی و ثقافتی حیثیت** یہ سوق الکتب مقامی ارباب کمال کی نظر میں ہوتے تھے، چنانچہ ابوبکر احمد بردیجی المتوفی ۳۰۱ھ جن کی حفظ حدیث میں شہرت تھی، جب کوفہ میں وارد ہوئے اور ابن عقدہ سے جنھیں اپنے حفظ پر ناز تھا، ملاقات ہوئی تو باتوں ہی باتوں میں ابن عقدہ نے ان سے کہا، حدیث کی زیادہ باتیں نہ کیجیے، کسی وراق کی دکان پر چلیے، تبان (پیمانۂ غلہ) بھر کے کتابیں جتنی چاہیں تلوا لیجیے، پھر ہم بحث کریں گے، تو ان کے ہوش اڑ گئے تھے۔[۹]

اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں سب سے بڑا عالم وہ سمجھا جاتا تھا جس کی نظر میں اپنے فن سے متعلق سوق الوراقین کی جملہ کتابیں ہوتی تھیں، سوق الکتب میں بعض اہل علم وراق کی علمی شہرت ایسی تھی کہ ان کے

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۵، ص ۱۶، الانساب للسمعانی، ورق ۳۹۴ [۲] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۲، انباہ الرواة علی انباہ النحاة للقفطی، القاہرة، دار الکتب المصریہ ۱۳۶۹ھ ج ۲، ص ۱۳۱ [۳] البلدان للیعقوبی ط ۲، (النجف) المطبعة الحیدریہ، ۱۳۷۷ھ ص ۱۳، مناقب بغداد لابن الجوزی، ص ۲۶ [۴] الجواہر المضیئة للقرشی ج ۲، ص ۱۵۵، مصطفی جواد، معجم مواضع واسط، مجلة المجمع العلمی العراقی، المجلد الثامن (۱۹۶۱ء) ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۱ [۵] وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۰، احسن التقاسیم للمقدسی ص ۱۸۰، مدینۂ دمشق عند الجغرافیین والرحالین المسلمین للمنجد، بیروت، دار الکتاب العربی ۱۹۶۷ء، ص ۷، [۶] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [۷] عبد الرحمن زکی، نہضة العلوم فی قاہرة الفاطمیین، المجلة مجلة الثقافة الرفیعة، القاہرة، شمارہ ۱۴۰، اپریل ۱۹۶۹ء ص ۱۷ [۸] تتمة صوان الحکمة للبیہقی ص ۴۲، [۹] تاریخ بغداد للخطیب ج ۵ ص ۱۶، السمعانی ورق ۳۹۴، ابن الجوزی ج ۶، ص ۲۳۷۔

تجارتی اوقات میں بھی دوکان پر آکر لوگ ان سے کتابوں کی سند لیتے تھے،[1] شعراء کا کلام نقل کیا جاتا تھا،[2] بعض دوکانوں میں علمی مباحثے ہوتے تھے،[3] اہل علم، وراق کے ذریعہ معلومات فراہم کرتے تھے، چنانچہ ابو العلاء المعری کا بیان ہے "میں مدینۃ السلام بغداد میں تھا، وہاں ایک وراق کو دیکھا کہ وہ عدی بن زید کے اشعار جن کا مطلع تھا: بکی العاذلات فی غلس الصب

ـحِ یعاتبنہ اما تستفیق

ودعا بالصبوح فجراً فجاءت

قینۃ فی یمینها ابریق

کے قافیہ کے متعلق پوچھتا تھا، وراق کا زعم تھا کہ ابن حاجب النعمان نے اس قصیدہ کے متعلق دریافت کیا تھا، دیوان عدی کے نسخے بھی طلب کیے تھے، لیکن وہ نہیں ملے، پھر میں نے استرابادی کو سنا کہ وہ یہ قافیہ دیوان العبادی میں پڑھتا تھا، لیکن دار العلم بغداد کے نسخہ 'دیوان العبادی' میں یہ قافیہ موجود نہیں تھا،[4] علماء وادباء کی مجلسیں جمتی تھیں، ناقدان فن کے جوہر کھلتے تھے، چنانچہ ابونصر زجاج کا بیان ہے کہ میں سوق الوراقین میں ابو الفرج صاحب الاغانی کے ساتھ ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا اور قریب ہی وراق ابو الفتح بن الجزار کی دکان پر ابو الحسن علی بقال شاعر سے ابراہیم صولی کے شعر سنا رہا تھا، جب وہ مندرجہ ذیل شعر پر پہونچا:

رأى خلتی من حیث یخفی مکانها

وکانت قذی عینیه حتی تجلت

(اس نے میری حاجت کو پوشیدہ جگہ دیکھا، وہ اس کی آنکھ میں تنکا تھی کہ فوراً نکل گئی)

تو اس نے اس کی بہت داد دی، ابو الفرج اس منظر کو دیکھ رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا جاؤ، اس سے پوچھو کہ اس شعر میں خوبی کیا ہے؟ میں نے جا کر پوچھا تو اس نے کہا: شاعر کا قول 'وکانت قذی عینیه' ہے، ابو الفرج نے کہا جاؤ، کہو کہ شعر کی خوبی کے ادراک میں تم سے غلطی ہوئی ہے، اصل خوبی من حیث یخفی مکانها میں مضمر ہے، اس طرح بحث چھڑ جاتی تھی،[5] ابو حیان توحیدی (...۔ ۴۰۰ھ ...

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۰۱، [2] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۲، ص ۳۰۰ - ۳۰۱ [3] الوافی بالوفیات للصفدی ج ۲ ص ۱۱۹ [4] ابن خلکان ج ۲، ص ۲۱۰ [5] رسالۃ الغفران للمعری ط: ۵ القاہرۃ، دار المعارف، ص ۱۳۶، ۱۴۷ [6] معجم الادباء یاقوت ج ۵، ص ۱۵۰، ۱۵۸، یاقوت نے محاکمہ کیا کہ دونوں کا قول درست ہے، لیکن ابو الفرج کا قول زیادہ بہتر ہے۔



۴۱۰ھ) سوق الوراقین میں اسی نوع کے مناظروں سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ موصوف نے کتاب الامتاع والموانسہ میں ایسے مناظروں کا تذکرہ کیا ہے،[1] قفطی نے لکھا ہے کہ بغداد میں ابن وداع ازدی المتوفی فی حدود ۲۳۰ھ کی دوکان ایسی تھی کہ اس میں عامۃ اہل ادب آکر بیٹھتے، مذاکرہ و مباحثہ کرتے، ان میں ایسی باتیں حاصل ہوتی تھیں جو دوسری ادبی مجالس میں حاصل نہیں ہوتی تھیں،[2] "ربا" میں جو موصل و شام کے مابین ایک شہر ہے اسعد وراق کی ایسی ہی ایک دوکان تھی،[3] بعض نابینا اہل علم بھی بلا ناغہ روزانہ یہاں آتے تھے، چنانچہ ابو الغنائم حبشی بن محمد واسطی ضریر المتوفی ۵۶۵ھ بیس برس تک بغداد کے سوق الوراقین میں برابر آتے رہے تھے،[4] ان ہی خوبیوں کی وجہ سے مورخین نے سوق الوراقین کو مجالس علماء و شعراء کا مرکز[5] اور اہل علم کا مستقر[6] قرار دیا ہے۔

سوق الوراقین میں ارباب فن تقویم کا عمل کرتے، اہل کمال کے جوہر کھلتے، باہم بحث بڑھتی تھی، چنانچہ ماہر نجوم و تقویم ابو القاسم رضی مصاحب سیف الدولہ حمدانی کا بیان ہے:

"میں عضد الدولہ کے زمانہ میں بغداد آیا، علم نجوم کو خیرباد کہہ کر تجارت کرنے لگا، ایک دن سوق الوراقین سے گذر رہا تھا کہ ابو القاسم نصری المتوفی ۳۱۳ھ کو تقویم بناتے دیکھا تو کھڑے ہو کر اس کے عمل کو دیکھنے لگا، تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: کیا دیکھتے ہو آگے بڑھو، یہ تمہارے سمجھنے کی چیز نہیں، مگر میں دیکھتا رہا، جب وہ فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا: آپ نے دوہرا عمل کیا، دوہری ضربیں لگائیں، اگر اس طرح سے کیا ہوتا تو یہ زحمت نہ کرنی پڑتی، اور چلتا ہوا، نصری میرے پیچھے دوڑا، آکر مجھ سے چمٹ گیا، سر کو چوما، معافی مانگی، نام پتہ پوچھا، شہرت کی بنا پر فوراً پہچان گیا اور مکان پر آکر مشکلات حل کرنے لگا۔[7]

وراق اہل علم کی قدر کرتے، اگر ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو کتاب نذر کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے،

[1] کتاب الامتاع والموانسہ تحقیق احمد امین واحمد الزین بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ ب، ت، ج ۲ ص ۱۱ و ۲۶ [2] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۲، ص ۱۳۴ [3] معجم الادباء ج ۳ ص ۲۳ [4] ایضاً ص ۲۳ [5] نکت الہمیان للصفدی ص ۱۳۴ [6] مناقب بغداد لابن الجوزی، ص ۲۶ [7] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [8] انباہ الرواۃ للقفطی ص ۴۲۹ - ۴۳۰۔

عرب کا مشہور شاعر متنبی سوق الوراقین میں زیادہ بیٹھا اٹھتا تھا، اور اس کا علم ان ہی کتابوں کا رہین منت تھا،[1] اس نے کسی وراق کے پاس اصمعی کی تیس[3] ورق پر مشتمل کتاب دیکھی، لے کر پڑھنے لگا، جب دیر لگی تو وراق بولا: آپ کا مقصد اسے یاد کرنا ہے، یہ کام ایک مہینہ کے بعد کیجیے گا، متنبی نے کہا یہ یاد ہو گئی، کہنے لگا: پھر کتاب تمہاری ہے، وراق نے متنبی سے کتاب لی، اس نے پوری زبانی سنا دی، وراق نے کتاب متنبی کو دے دی، وہ آستین میں رکھ کر لے گیا۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم مسائل کی کمی کی وجہ سے سوق الوراقین میں نادر و اہم رسالے یاد کیا کرتے تھے، نیز اہل کمال کا علم سوق الوراقین کا رہین منت ہوتا تھا،

عہد عباسی میں کتب اور کتب خانہ سماجی زندگی کے لوازم سے سمجھا جاتا تھا، اس لیے کتابوں کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی، تجارت کتب کے مستقل اور عارضی مرکزوں کے اسلامی قلمرو میں بہتات تھی، ہر قسم کی کتابیں عام بازاروں میں فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کا خاص بازار بھی تھا جس کو سوق الوراقین[3] سوق الکتبیین[4] اور سوق الکتب[5] کہا جاتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوق الوراقین دراصل کاغذ سازی، کاغذ فروشی، اور سوق الکتبیین، سوق الکتب (کتب فروشی) کا بازار تھا، البتہ عرف عام میں ایک کا دوسرے پر اطلاق کیا جاتا تھا، اسی اعتبار سے اس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، جو لوگ سوق الکتب میں کتابیں فروخت کرتے تھے، انھیں کتبی کہا جاتا تھا، بہت سے اہل علم اس نسبت سے مشہور تھے، وراق کو بھی کتبی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس لیے کہ وہ وراق وکتب کا مشغلہ رکھتا تھا، چنانچہ کتبی اور ابن الکتبی سے وراق کی شہرت اس امر کی غماز ہے تیسری صدی ہجری میں بعض شہر جیسے بغداد کا سوق الکتب جو باب البصرہ کے سامنے واقع تھا[6] یہ بازار

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴، ص ۱۰۳ [2] لسان المیزان ج ۱، ص ۱۶۰ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۲۰۹، تاریخ بغداد ج ۱۱، ص ۳۹۹، الحضارۃ الاسلامیۃ لادم متز ج ۱، ص ۲۶۹ [4] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [5] معجم البلدان ج ۳، ص ۱۳۹، الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲، المقدمہ لابن خلدون ص ۷۵۵، خطط الشام لکرد علی ج ۶، ص ۱۹۵۔ [6] المدخل فی تاریخ الحضارۃ تالیف ناجی معروف بغداد، مطبعۃ العانی، ۱۳۷۹ھ ص ۱۸۰۔



سینکڑوں دوکانوں پر پھیلا ہوا تھا، ان دوکانوں پر کتابیں سب معیاری ملتی تھیں،[1] معلوم ہوتا ہے سوق الکتب مشاہیر کی کتابوں سے اٹا رہتا تھا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ۳۰۹ھ میں جب منصور حلاج کو قتل کیا جانے لگا تو اس نے کہا تھا کہ میری کتابیں اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب پر سوق الکتب میں موجود ہیں،[2] یہ دوکانیں چوک بازار میں کھولی جاتی تھیں، تاکہ ہر طرف سے آنے والے کاغذ بآسانی خرید سکیں، چنانچہ ابوحفص خارتاش بن عبداللہ کاغذی رومی المسمیٰ بعمر المتوفی ۵۳۱ھ کی نیشاپور میں دوکان چوک بازار میں واقع تھی،[3] یہ دوکانیں بالعموم کسی مسجد کے قریب ہوتی اور کتابوں سے بھری رہتی تھیں،[4] اس لیے خریداروں کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی تھی،[5] پھر سوق الکتب میں وراقوں کا عریف (expert) ہوتا تھا جس کی نظر سوق الکتب کے ذخائر پر رہتی تھی، وہ وراقوں اور خریداروں کی رہنمائی کرتا تھا، چنانچہ شرف الدین محاسن الصوری المتوفی ۶۶۳ھ قاہرہ کے سوق الکتب کے عریف تھے،[6]

ان بازاروں اور دوکانوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مقامات پر بھی کتب فروشوں کی دوکانیں کھلی ہوتی تھیں،[7] وراق یہاں کتابیں بیچتے اور نقل بھی کرتے تھے، چنانچہ احمد بن جعفر وراق کی شرقی بغداد میں خان ذیل میں اسی قسم کی دوکان تھی، بعض وراق کتب خانوں میں کتابیں نقل کرتے اور اپنی دکان پر کتابیں بیچتے تھے۔[8]

عہد عباسی میں مشرقی و مغربی قلمرو کے دار الخلافہ اور مرکزی شہر کتابوں کی تجارت کی منڈیاں تھے، یہاں نہ صرف کتابیں، بلکہ پورے پورے کتب خانوں کی قیمت اچھی لگتی تھی، مغرب (یورپ) میں قرطبہ اور مشرق (ایشیا) میں بغداد کو اس امر میں شہرت خاص حاصل تھی، تنہا یہی فضیلت شہروں کی برتری کے ثبوت میں کافی

---

[1] مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت و تجارت از وران کریم، ترجمہ محمد جمیل الرحمن، الہ آباد، کتابستان ۱۹۳۴ء ص ۷۵. [2] تکملہ تاریخ الطبری لمحمد بن عبدالملک، الہمدانی تحقیق البرت یوسف کنعان ط: ۲ بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیہ ۱۹۶۱ء، ص ۲۵. [3] التحبیر للسمعانی ج ۱ ص ۲۷۲ [4] مسلمانوں کی صنعت و حرفت ص ۷۵ [5] ایضاً [6] الذیل علی الروضتین لابی شامہ، ص ۲۳۶ [7] الفہرست لابن الندیم، ص ۱۴۱ (فلوگل) [8] معجم الادباء ج ۵، ص ۶۷۔

سمجھی جاتی تھی، چنانچہ مناظروں میں یہاں کے لوگ دوسرے شہر کے رہنے والوں کا یہی بات کہہ کر منہ بند کرتے، اور اپنی برتری کا اظہار کرتے تھے، ابو الفضل تیفاشی کا بیان ہے:

"ایک مرتبہ معارف پرور سلطان مغرب المنصور یعقوب موحدی (۵۵۵ھ، ۵۹۵ھ / ۱۱۶۰ء - ۱۱۹۹ء) کے دربار میں ۵۸۰ھ میں مشہور فلسفی وفقیہ ابن رشد المتوفی ۵۹۵ھ اور حکیم ابوبکر محمد بن عبدالملک ابن زہر ایادی المتوفی ۵۹۵ھ میں اس موضوع پر مناظرہ ہوا، ابن رشد نے ابن زہر سے کہا: تم جو فضائل بیان کرتے ہو میں یہ نہیں جانتا، بس ایک ہی بات جانتا ہوں کہ اگر کوئی عالم اشبیلیہ میں مرتا ہے تو اس کی کتابیں بکنے کے لیے قرطبہ آتی ہیں، یہاں ان کی قیمت اچھی ملتی ہے اور اگر کوئی گویا قرطبہ میں مرتا ہے تو اس کے گانے بجانے کے سامان کے دام وہاں اچھے ملتے ہیں، اور پھر کہا[1]:

قرطبة اكثر بلاد الله كتباً۔ — قرطبہ بلاد اسلامی میں کتابوں کی کثرت میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قلمرو میں کتابوں کا شوق بڑھتے بڑھتے وجہ افتخار بن گیا تھا۔

بلاد مشرق میں بھی جب کوئی مرتا اس کی کتابیں بغداد میں اچھی قیمت میں بکتی تھیں، چنانچہ ابو العباس جعفر ابن احمد مروزی کی کتابیں ان کی وفات کے بعد ۲۷۵ھ میں اہواز سے فروخت کے لیے بغداد لائی گئیں، اور طاق حرانی میں فروخت کی گئی تھیں[2]۔

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر شہر میں کتابیں بکتی تھیں، لیکن مرکزی شہروں میں کتابوں کی قیمت زیادہ ملتی تھی، یہاں چونکہ کتابیں اور کتب خانے فروخت ہوتے تھے اس لیے شائقین کتب ان مرکزی شہروں کا بار بار سفر کرتے تھے، ابو نصر سہل بن مرزبان المتوفی تقریباً ۴۲۰ھ نے نفیس و نادر کتابوں کی جستجو میں بغداد کا بار بار سفر کیا تھا[3]، اس سے عوام و خواص میں کتابوں کے شوق کا اندازہ کیا

۱؎ نفح الطیب للمقری ج۱ ص ۱۴۰ ۲؎ الفہرست لابن الندیم ص ۲۱۴ - ۲۱۵ ۳؎ یتیمۃ الدہر للثعالبی ج۴ ص ۲۸۶۔



جا سکتا ہے[1]۔

رات میں کتب فروش سوق الوراقین میں دوکانیں اہل علم کو کرایہ پر دے کر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے، طلب و رسد کے سلسلہ کو پروان چڑھاتے، معاشرے کی علمی اقدار میں اضافہ کرنے کی سعی کرتے تھے، چنانچہ سوق الوراقین میں جاحظ کو رات بھر کے لیے دوکانیں کرایے پر دی جاتی تھیں[2]، سوق الوراقین میں نصابی کتابوں کی خرید و فروخت سب سے زیادہ ہوتی تھی[3]۔

ہر علم و فن کی کتابیں اتنی بڑی تعداد میں سوق الوراقین میں موجود رہتی تھیں کہ اہل علم کو ہر فن ان کی ضرورت کی کتابیں دستیاب ہوتی تھیں، جن کتابوں کی طلب زیادہ ہوتی ان کے نسخے بھی سوق الوراقین میں زیادہ پائے جاتے تھے، اور جن کتابوں کی مانگ کم ہوتی یا جن کی طرف اہل علم کی رغبت کم ہوتی تھی وہ کتابیں سوق الکتب میں کم ملتی تھیں[4]، بازار کتب میں لوگ عالموں اور کتابوں سے استفادہ کرنے کے بعد جو کتابیں اپنے مطلب کی پاتے ان کو خرید لیتے تھے، جن اہل علم کو اساتذۂ فن سے کتابوں کی سند حاصل نہیں ہوتی اور معاشرہ میں عالم و مصنف کے ردیف میں نمایاں ہونے کی خواہش چٹکیاں لیتی تھی، وہ سوق الوراقین سے کتابیں خرید کر اور ان کتابوں پر نامور علماء سے اپنی قراءت و سماعت کی نسبت کرکے روایت کرتے تھے[5]، یہ سوق الوراقین سے خریدی ہوئی کتابوں کو عام کرنے والے صحفی کہلاتے تھے، معاشرہ میں لفظ صحفی ان کی علمی حیثیت کا تعین کرنے اور ان کے سلسلۂ سند کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا، عجب حسن اتفاق ہے کہ صحافی اور صحافت کو آج بھی معاشرے میں تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

**کتابوں کی نقل انفرادی و اجتماعی** عہد عباسی میں اگر کسی کو کسی جلد والی کتاب درکار ہوتی تو اس کے اجزا اور

۱؎ مسلمانوں کی صنعت و حرفت ص ۷۵، ۲؎ الفہرست لابن الندیم ص ۱۶۹، معجم الادباء ج۶، ص ۵۶ ۳؎ المحدث الفاصل للرامہرمزی، ص ۲۱، تذکرۃ السامع والمتکلم لابن جماعہ ص ۱۶۴ ۴؎ الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ لعلی بن عبد العزیز الجرجانی، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم و علی محمد البیجاوی، القاہرۃ مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۸۶ھ ص ۵۱ ۵؎ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۶۷۔

مجلدات مختلف وراقوں کو دے کر نقل کرائی جاتی تھی، اس طرح ضخیم سے ضخیم متعدد جلد والی کتاب بہت جلد اور کم سے کم مدت میں جلدی تیار ہو جاتی تھی، چنانچہ امین الدولہ ابو الحسن بن غزال نے ایک مرتبہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق جو اسّی جلدوں میں تھی نقل کرانی چاہی تو اسے دس کاتبوں میں تقسیم کر دیا، ہر کاتب کے حصہ میں آٹھ جلدیں آئیں، اور انھوں نے دو برس میں پوری کتاب نقل کرائی تھی۔[1]

**مصنف و وراق کی نقل میں فرق** | عالم، مصنف اور وراق کی کتابت میں فرق تھا، وراق کمائی اور خوبصورتی کی خاطر کشادہ لکھتا، عالم و مصنف کم اوراق میں زیادہ لکھتا، جگہ کم گھیرتا اور کاغذ بھی احتیاط سے استعمال کرتا تھا، تاکہ خرچ کم ہو، وہ تھوڑے پیسوں میں زیادہ کتابیں نقل کرتا، تاکہ نقل و حمل اور سفر میں لے جانے میں سہولت ہو، اس کا لکھا ہوا وراق سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ابو علی حسین ماسرجسی نے مسند ابی بکر دس جزوں سے کچھ زیادہ میں لکھی، اسے وراق نے ساٹھ جزوں سے بھی زیادہ میں نقل کیا تھا۔[2]

یہ سوق الوراقین سے پیدا ہونے والی خوبیاں تھیں جو علم و فن کو پھیلا رہی تھیں، لیکن کچھ لوگ اس میں ایسے بھی در آئے تھے جو تصنیف و تالیف کی قابل قدر صلاحیتیں رکھتے اور اچھی تصنیف و تالیف کرتے، مگر احساسِ کمتری یا نفع اندوزی کی خاطر وہ اپنی تحریریں کسی معروف مصنف کے نام سے فروخت کرنے لگے تو ماہرین کتابیات اور کتب شناسوں نے ایسے اصحاب کا کھوج لگایا، ان کو نمایاں کیا، تاکہ جعل سازی کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکے، ابن الندیم نے اس جعل سازی کے تدارک کے لیے "الفہرست" میں ایسے اشخاص و کتب کی جابجا نشاندہی کی ہے، اور یہ نشاندہی کتب خانوں میں کتابوں کے انتخاب میں بڑی مدد و معاون رہی۔

فن کتابیات کی تاریخ میں جعل سازی کی نشاندہی کا آغاز ابن الندیم نے کیا ہے، ان جعل سازیوں کے اظہار کے لیے وضع، اختلاق، انتحال وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے جعل سازی کی وجہ سے سوق الوراقین کے علمی وقار کو نقصان پہونچا جس کی یادگار اردو زبان میں ایک لفظ سوقیانہ ادب (بازار کے لائق) معرض وجود

[1] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۳ ص ۳۸۶ [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۳ ص ۹۵۶۔



میں آیا، جو ان ہی جعل سازوں کے فن کا نتیجہ ہے۔

دور عباسی میں وراق اور کتب فروش بھی اہل علم کو مستعار بلا منفعت کتابیں مہیا کرتے تھے، چنانچہ ایک وراق نے ابن جریر طبری کو صرف قیاس کے موضوع پر چالیس[1] سے کچھ کم کتابیں مستعار مہیا کی تھیں۔[2]

**فروخت کتب کے مستقل و عارضی مرکز** | سوق الوراقین کتابوں کی خرید و فروخت کے مستقل مرکز تھے، کتابوں کی خرید و فروخت کے عارضی مرکز وہ وقتی مقامات تھے جہاں کسی مجبوری کے تحت کتابوں کا ذخیرہ فوری طور پر بیچا جاتا تھا، جیسے علماء کے مکانات جہاں مرنے کے بعد ان کی کتابیں اور ان کا کتب خانہ بکتا تھا، کوفہ میں ابن الاعرابی کا کتب خانہ ان ہی کے مکان پر ابو جعفر قحطبی نے خریدا تھا۔[3] کبھی کسی خاص مقام پر مقررہ دنوں میں فروخت کی جاتی تھیں، چنانچہ ابو الفتوح ناصر بن علی انصاری المعروف بابن صورہ المتوفی ۶۰۷ھ اپنے مکان کے دروازہ کی دہلیز پر بیٹھا کرتا اور دوشنبہ اور چہارشنبہ کو علماء و روؤسا آتے، اور اپنی پسند کی کتابیں خرید کر لے جاتے تھے۔[4] اجزاء اور مجلدات جب ذخیرۂ کتب میں رل مل جاتیں تو جو کتابیں ناقص ہو جاتی تھیں انھیں تلاش کر کے پورا کرتے تھے، موصوف فروخت کتب میں پورے اجزاء اور مجلدات کا اہتمام کرتے تھے، اس لیے ہفتہ میں دو دن فروخت کرتے تھے۔[5]

وزراء، امراء، روؤسا اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار یا علمی کاموں میں انہماک کی وجہ سے سوق الکتب نہیں جا سکتے تھے یا کم جاتے تھے وہ دلالوں کی معرفت جنھیں "دلال الکتب" اور "سمسار" کہا جاتا تھا، کتابیں منگاتے[5] اور خریدا کرتے تھے۔[6]

بعض اوقات نایاب کتابوں کی جستجو کے لیے جہاں گشت ادباء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں چنانچہ

[1] معجم الادباء ج ۶، ص ۴۵۳ [2] ایضاً، [3] ابن خلکان ج ۱، ص ۶۳، [4] الذیل علی الروضتین لابی شامہ ص ۱۲، ۶۲۸، کتاب السلوک للمقریزی ج ۱، ص ۱۷۷، النجوم الزاہرۃ لابن تغری بردی ج ۶ ص ۳۳۲۔
[5] الخطط المقریزیہ ج ۲ ص ۳۶۷ [6] معجم الادباء ج ۵ ص ۴۸۴، اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء تالیف محمد راغب الطباخ، حلب المطبعۃ العلمیہ ۱۳۴۳ھ ج ۴، ص ۴۲۱۔

قاضی فاضل نے وزیر ابو نصر احمد بن یوسف منازی المتوفی ۴۳۷ھ کے دیوان کو جو بہت نایاب تھا، "بعض الادباء السفار" چند جہاں گشت ادیبوں کو مامور کیا تھا، لیکن وہ بھی اس کے حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں نایاب کتب کو حاصل کرنے کے لیے کیا تدبیریں اختیار کی جاتی تھیں[1] بادشاہوں اور وزیروں کے گماشتے حصول کتب کی خاطر اسلامی قلمرو کے مشرقی و مغربی شہروں میں سفر کرتے رہتے تھے[2]

عہد عباسی میں مصنف یا اہل علم امراء اور قدر دانوں کے یہاں کتاب پہونچاتے تو اس کی قیمت کچھ نہیں ہوتی تھی، کتاب ان کی طرف سے ہدیہ اور دینار ان کی جانب سے عطیہ ہوتے تھے، اس طرح امراء اہل علم کی قدر و ہمت افزائی کر کے کتابیں حاصل کرتے تھے، چنانچہ محمد بن عبد الملک زیات کو جاحظ نے کتاب الحیوان کا نسخہ پیش کیا تو اس نے پانچ ہزار دینار اس کو دیے تھے، اور جب ابن ابی داؤد کو کتاب البیان والتبیین کا نسخہ دیا تو اس نے بھی جاحظ کو پانچ ہزار دینار دیے، جب اس نے ابراہیم بن عباس کو کتاب الزرع والنخل کا نسخہ پیش کیا تو اس نے اس کو پانچ ہزار دینار عطا کیے تھے[3]

**عہد عباسی میں ذخائر کتب میں اضافہ کے تین اہم ذرائع**

عہد عباسی میں عموماً ذخائر کتب میں تین اہم ذرائع سے اضافہ کیا جاتا تھا:

(ا) حسب ضرورت وقتاً فوقتاً کتابیں سوق الوراقین سے خریدی جاتی تھیں۔

(ب) کتب خانہ میں کاتب و وراق کتابت پر مامور کیے جاتے جو شب و روز لکھتے رہتے اور کتابوں میں اضافہ کرتے رہتے تھے، جیسا کہ واقدی کا معمول تھا (ج) اساتذہ اپنے تلامذہ کو کئی بار کتابیں املاء کرا کر کتابوں کی نشر و اشاعت کرتے، تازہ و نظر ثانی شدہ اڈیشن ذخائر کتب میں اضافہ کرتے رہتے تھے، چنانچہ ابو عبد اللہ محمد بن زیاد اعرابی (۱۵۰-۲۲۵ھ) کی مجلس درس کے متعلق ابو العباس ثعلب کا بیان ہے "اس کی مجلس املاء و درس میں بیک وقت سو طلبہ شرکت کرتے تھے، اور وہ ان اہل علم کو کئی بار نشر علم لکھواتے تھے[4]"

(باقی)

---

[1] الوافی بالوفیات للصفدی ج ۸ ص ۲۸۵ [2] التکملۃ السیراء لابن الآبار طبع مصر ۱۹۵۵ء ج ۱ ص ۲۰۲ تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۱۷ نفح الطیب للمقری ج ۱ ص ۲۶۲ [3] معجم الادباء ج ۶ ص ۷۶ [4] الفہرست لابن الندیم ص ۱۰۳۔

# دراقت: کتاب منزل بمنزل

از

مولانا محمد عبد الحکیم چشتی، کانو، نائیجیریا

(۲)

اس کے علاوہ کتب فروش بھی کتابوں کی خرید و فروخت کے لیے مشرقی و مغربی ممالک میں گھومتے رہتے تھے، بعض اوقات صاحب کتب خانہ کسی ضرورت کے تحت اپنے ذخیرۂ کتب سے کتابیں ان کو بیچتے تھے[۱]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تاجر کتب جس طرح کتابیں کتب خانوں میں پہونچاتے تھے، اس طرح صاحب کتب خانہ سے کتابیں خرید ابھی کرتے تھے، یوں کتابوں کی گردش کا عمل جاری رہتا تھا۔

تاجر کتب نادر و اہم اور نئی نئی کتابیں بلاد مشرق (ایشیا و افریقہ) اور مغرب (یورپ) میں بھی لے جاتے، الکان کتب خانہ سے ربط و ضبط بڑھاتے اور انھیں کتابیں پہونچاتے تھے، چنانچہ حلب کا ایک تاجر کتب عراق سے بوعلی سینا کی کتاب "القانون" کا نسخہ اندلس لایا، اس سے قبل یہ کتاب اندلس میں نہیں آئی تھی، اس نے ابوالعلاء زہر بن عبد الملک اشبیلی المتوفی ۵۲۵ھ کو دکھائی، مگر اس بالغ نظر کی نظر میں نہیں سمائی[۲]، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے تاجران کتب کی تجارت کا دائرہ کتنی وسعت اختیار کر گیا تھا۔

اہل علم علماء سے کتابیں ہی نہیں خریدتے تھے، بلکہ ان کا ان سے سماع کرتے اور سند بھی لیتے تھے، چنانچہ

---

[۱] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۳، ص ۱۰۴، ۱۰۵ - [۲] ایضاً ص ۱۰۴ - ۱۰۵

ابو عبد اللہ محمد المعروف بہ ابن زوج الحرہ المتوفی ۳۲۸ھ سے خطیب بغدادی نے جو کتابیں خریدی تھیں ان کا ان سے سماع بھی کیا تھا۔[1] یہ عہد عباسی میں کتابوں کے استعمال کا شاہد عدل ہے۔

تجارت صرف تیار مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے یا ایک فرد و جماعت سے لے کر دوسرے فرد یا جماعت کو بیچنے ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے مفہوم میں لین دین کے اندر تعاون کے رشتہ کو استوار کرنا اور اس میں نظم و نسق قائم رکھنا بھی داخل ہے، یہ نظم اور انتظام و انصرام سرکار کی زیر سرپرستی ہو یا نہ ہو، وراقوں اور تاجروں کی برادری میں اس کا شعور ضرور تھا، یہ شعور ہی تھا جو بغداد کے سوق الوراقین سے اسپین تک بستی بستی میں کتابوں کو پھیلا رہا اور تجارت کتب کو فروغ دے رہا تھا، اس طرح ابلاغ و ترسیل کے عمل کو جاری رکھنے میں آسانیاں بہم پہونچ رہی تھیں۔

**کتابوں کی قیمت پر کنٹرول** عہد عباسی ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد کے دور میں بھی کتابوں کی قیمت کے بڑھنے اور گھٹنے پر نظر رکھی جاتی تھی، گو حکومت سرکاری طور پر کوئی اقدام نہیں کرتی تھی، لیکن صاحب تصانیف اس میں اخلاقی دباؤ ڈالتے تھے، اور اگر تاجران کتب نے کبھی کتابوں کی قیمت مناسب نہیں رکھی اور انھیں بیجا نفع اندوزی اور استحصال پر مصر ہوتے دیکھا گیا تو انھوں نے ایسی صورت میں اس کتاب کا بہتر بدل لانے کی کوشش کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیمت معمول پر آگئی،

**شرح کتابت** تیسری صدی ہجری کے اوائل میں عام طور پر اوراق ایک درہم میں دس[10] ورق لکھتا تھا، اور پانچ[5] ورق فی درہم اجرت بہت گراں سمجھی جاتی اور گوارا نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ فراء نے جب کتاب المعانی املا کرائی تو وراق پانچ ورق فی درہم پر نقل کرنے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ اس نے انھیں بیجا نفع اندوزی سے روکا مگر نہ مانے، آخر اس نے کتاب المعانی کو شرح مزید کے ساتھ املا کرانا شروع کیا، ابھی نصف ورق املا کرائے تھے کہ وراق دس[10] ورق فی درہم پر راضی ہو گئے۔[2]

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۲، ص ۳۶۰ - ۳۶۱ [2] ایضاً ج ۱۴ ص ۱۵۰ -



اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء و ارباب فن علوم و فنون کی نشر و اشاعت، علم کی خدمت اور عوام کی سہولت کے پیش نظر کتابوں کی قیمت پر نظر رکھتے تھے، وراقوں اور تاجروں کو کتابوں کی معمول سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء تین درہم میں لکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو عتبہ احمد بن الفرج کندی حمصی المعروف بہ الحجازی المتوفی ۲۷۱ھ کے تذکرہ میں محمد بن عوف کا بیان ہے کہ میں نے ابو الیمان شعیب کی بے شمار کتابیں نقل کی تھیں، میں ایک جزء تین[3] درہم میں لکھتا تھا۔[1]

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء ایک درہم میں فروخت ہونے لگا تھا، ابراہیم حربی (۱۹۸ھ - ۲۸۵ھ = ۸۱۵ء - ۸۹۸ء) سے ان کی دختر نے تنگدستی کی شکایت کی، انھوں نے اس سے یہی کہا تھا کہ جس کے پاس بارہ ہزار جزء لغت کے موجود ہوں اس کے پاس بارہ[12] ہزار درہم ہیں، وہ فقیر نہیں ہوتا، میرے مرنے کے بعد ہر جزء ایک درہم میں بیچ سکتی ہو۔[2] جزء کی مقدار ہر دور میں تقریباً مختلف رہی ہے، لیکن تیسری صدی ہجری میں پچاس[5] ورق کی کتاب کو لفظ جزء سے تعبیر کیا جاتا تھا، چنانچہ مورخ کا بیان ہے ابو محلم بغدادی نے مجھ سے ایک جزء مستعار لیا تھا جو تقریباً پچاس ورق پر مشتمل تھا،[3] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بارہ ورق فی درہم اجرت نقل تھی، چنانچہ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبد اللہ قنطری زاہد المتوفی ۲۶۰ھ جامع سفیان ثوری کا نسخہ ستر[14] درہم میں لکھتے تھے۔[4] بعض خاص اسباب کے تحت بعد کے ادوار میں بھی جزء اسی حساب سے فروخت ہوا، چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں اسعد بن الیاس المتوفی ۵۵۷ھ کے تیار کیے ہوئے خلاصے بولی لگنے پر ایک درہم فی جزء کے حساب سے بکے تھے۔[5] تاہم نامور مصنف کا اپنا لکھا ہوا ایک جزء تقریباً ایک دینار میں بکتا تھا، چنانچہ خلیل بصری کی کتاب العین، جو

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۴، ص ۳۴۱۔ [2] ایضاً ج ۶، ص ۳۳ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۶۹، [4] تاریخ بغداد ج ۳، ص ۲۵۶ [5] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۲۹۳۔

اڑتالیس جزء میں تھی پچاس دینار میں فروخت ہوئی تھی،[1]

مدینۃ السلام بغداد میں کتابت مذکورۂ بالا اجرت پر کی جاتی تھی، لیکن دیگر اسلامی ممالک میں بعض وجوہ سے کتابت کا نرخ مختلف تھا، چنانچہ بعض اوقات شناسان کتب کو اجرت کتابت زیادہ ادا کی جاتی، چنانچہ تیسری صدی ہجری کے نصف میں ابو زرعہ رازی نے مصر میں جب امام شافعیؒ کی تصانیف نقل کرائیں تو تقریباً اجرت کتابت فی کاغذ ایک درہم ادا کی تھی، موصوف کا بیان ہے:

میں ۲۳۲ھ میں حج کرتے ہوئے مصر کی طرف نکلا، وہاں ٹھہرنے کا بہت کم خیال تھا، لیکن علم و استفادہ کا یہاں زیادہ چلن دیکھا تو پندرہ مہینے ٹھہرا، امام شافعیؒ کی کتابوں کے سب سے زیادہ واقف کو ڈھونڈا تاکہ ان کا ذخیرۂ کتب نقل کرایا جائے، اس نے اسی درہم اجرت مانگی، میرے پاس دیبا کے دو کپڑے تھے، میں نے انھیں ساٹھ درہم میں بیچا، دس درہم میں سو ورق کاغذ خرید کر اسے دیا، کتابیں نقل کرائیں۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری میں کہ ایک امام مجتہد کی تالیفات کا ذخیرہ نوے درہم میں فراہم کیا جا سکتا تھا۔

عہد عباسی میں جوں جوں معیار زندگی بلند ہوتا گیا، اسی لئے صرف کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا، اور وراقت و کتابت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، چنانچہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں تقریباً ایک ورق ایک درہم میں لکھا جاتا تھا، مشہور ادیب و قاضی ابو سعید سیرافی المتوفی ۳۶۸ھ مجلس قضا و درس سے قبل ہر روز دس ورق جس کی اجرت دس درہم تھی لکھ کر اٹھتے تھے،[3] اور ابو علی حسن عکبری المتوفی ۴۲۵ھ پانچ درہم کا کاغذ خریدتے جو اتنا ہوتا تھا کہ اس میں متنبی کا دیوان لکھ لیا جاتا تھا، (اور متوسط قلم سے موجودہ متوسط تقطیع کے تقریباً تین سو صفحات) وہ لکھنے کے بعد کم از کم ڈیڑھ سو درہم ورنہ عموماً دو سو درہم میں فروخت کرتے تھے، موصوف زود نویس تھے، تین

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۶۴ [2] ابن ابی حاتم، کتاب تقدمۃ الجرح و التعدیل ص ۳۴۰ [3] نزہۃ الالدباء لابن الانباری ص ۳۷۹، انباہ الرواۃ للقفطی ج ۱ ص ۳۱۳ - ۳۱۴، الجواہر المضیئۃ للقرشی ج ۱ ص ۱۹۶، ج ۲ ص ۲۲۶، ابن خلکان ج ۱ ص ۱۳۰ و لسان المیزان لابن حجر ج ۲، ص ۲۱۸۔



دن میں ایک دیوان لکھتے تھے جو زود نویس نہ ہوتا، وہ ہفتہ میں لکھ لیتا تھا، اس سے عکبری نے پچیس[25] ہزار درہم کمائے تھے،[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زود نویس کاتب تقریباً پچاس[50] درہم یومیہ اور غیر زود نویس کاتب پچیس[25] درہم یومیہ سے زیادہ پیدا کرتا تھا، اس سے وراقت، کتابت کے پیشے میں کمائی کا، وراقوں اور کاتبوں کی خوشحالی اور ان کے معیار زندگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

**کتابوں کی قیمت کا ضروریات زندگی سے موازنہ**

عہد عباسی میں کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے اور کتب خانہ بنانے پر جو رقم خرچ کی جاتی تھی وہ ضروریات زندگی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی تھی،

اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے، مشہور محدث شعبہ ابن الحجاج (۸۲ھ / ۷۰۱ء - ۱۶۰ھ / ۷۷۶ء) کے مرنے کے بعد ان کے خچر، زین، لگام، بدن کے کپڑے اور جوتے سولہ درہم میں بکے تھے۔[2]

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں خچر، اس کا ساز و سامان، سوار کا جوڑا اور جوتا سولہ درہم میں آتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں عہد عباسی میں عام پڑھے لکھے انسان کی ضروریات زندگی کی تکمیل اس معمولی رقم سے پوری ہو جاتی تھیں، اس لیے کہ اس دور میں خچر پانچ درہم میں، سستی قمیص چار درہم میں اور عمدہ قمیص آٹھ درہم میں ملتی تھی،[3] ایک امام فن (جیسے امام محمدؒ) کی تصانیف پر ساٹھ[60] دینار خرچ آتا تھا،[4]

مذکورۂ بالا تاریخی شہادت اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عہد عباسی میں اہل علم شائقین کتب سب سے زیادہ رقم کتب و کتب خانوں پر خرچ کرتے تھے، جو ان کی علمی و مادی ثروت کی شاہد عدل ہے۔

**گراں قیمت کتابوں کے عوامل**

عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں کتابیں عام نرخ پر ملتی تھیں لیکن حسب ذیل خصوصیات سے آراستہ کتابیں صحت و ندرت کی وجہ سے عام طور پر گراں قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔

[1] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۳۱۹ - ۳۲۰، الانساب للسمعانی، ورق ۳۹۵ [2] ایضاً ج ۹، ص ۲۶۲ [3] ایضاً ج ۹ ص ۳۶۱، [4] تقدمۃ الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم الرازی، ج ۱، ص ۱۶۳، توالی التاسیس لابن حجر ص ۷۶۔

(۱) مصنف یا شارح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب، چنانچہ خلیل بصری کی کتاب العین جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ مصنف کا اپنا نسخہ تھا، پچاس۵۰ دینار میں بکا تھا۔[۱]

(الف) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کا اپنا لکھا ہوا نسخہ۔

(ب) " " " کا صحت کردہ نسخہ۔

(ج) " " " کے تلمیذ خاص کا نسخہ۔[۲]

(د) " " " کا صحیح کیا ہوا یا اس سے پڑھا ہوا نسخہ۔

(ہ) " " " کے وراق کا لکھا ہوا نسخہ۔

(و) " " " کے نسخہ سے منقول و مقابلہ کیا ہوا نسخہ۔

(ز) " " " کی آخری عمر کا نسخہ۔ (بشرطیکہ حافظہ درست رہا ہو)

(ح) " " " سے قریب العہد نسخہ۔

(۲) اہل علم کا تصحیح کیا ہوا نسخہ۔[۳]

(۳) نامور وراق کا لکھا ہوا نسخہ۔

(۴) عالم یا علماء کے زیر مطالعہ رہا ہوا نسخہ۔

(۵) نامور عالم یا علماء کے حواشی سے آراستہ نسخہ۔[۴]

(۶) مشہور صحیح نویس کا لکھا ہوا نسخہ جیسے یوسف بن خنزر النجیرمی المتوفی ۴۲۳ھ کا لکھا ہوا دیوان جریر اور طبقات الشعراء ابن سلام میں سے ہر ایک مصر میں بیس دینار میں فروخت ہوتا تھا۔[۵]

(۷) نامور خطاط کا لکھا ہوا نسخہ۔

---

۱ الفہرست لابن الندیم ص ۴۶ ۲ مناہج العلماء فی البحث العلمی، ص ۶۳ - ۶۴ ۳ ایضاً ۴ ایضاً ۵ انباء الرواۃ للقفطی ج ۳، ص ۶۷۔



(۸) عمدہ کاغذ پر خوشخط لکھا ہوا نسخہ۔

(۹) کسی وزیر، امیر کبیر، عالم یا بادشاہ یا بزرگ کے خزائن کتب کا نسخہ[۱] اکثر شاہی کتب خانوں کی کتابوں پر "برسم خزانۃ الملک" کے الفاظ لکھے ہوتے تھے[۲] یا کسی وزیر، امیر یا بزرگ کا یا کسی کے کتب خانے کی کتابوں پر ان کا نام لکھا ہوتا تھا۔

(۱۰) بادشاہ، وزیر، عالم اور صاحب فن میں سے کسی کے نام معنون کیا ہوا نسخہ۔

(۱۱) ان مذکورۂ بالا شخصیات میں سے کسی کے لیے تیار کیا ہوا یا کرایا ہوا نسخہ۔

(۱۲) کسی کتاب کا مشکول (اعراب لگایا ہوا) نسخہ۔

(۱۳) نقش و نگار سے آراستہ کتاب، مطلا و مذہب نسخہ۔

(۱۴) خوشنما مجلد نسخہ۔[۳]

(۱۵) مصور نسخہ۔[۴]

(۱۶) امہات الکتب، ہر فن کی امہات الکتب بھی گراں قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔

(۱۷) فنی کتابیں، چنانچہ بطلیموس کی فن ہیئت میں مشہور کتاب المجسطی کا نسخہ چوتھی صدی ہجری میں بیس۲۰ دینار میں فروخت ہوا تھا[۵] یا مثلاً ابو علی ابن الہیثم بصری المتوفی ۴۳۰ھ کی نقل کردہ اقلیدس، کتاب المتوسطات اور کتاب المجسطی کا نسخہ ڈیڑھ سو دینار سے کم میں فروخت نہیں ہوتا تھا۔[۶]

(۱۸) دائرۃ المعارف کی قسم کی کتابیں چنانچہ ابونعیم اصفہانی کی کتاب الحلیہ (جو تصوف کا دائرۃ المعارف ہے) ان کی حیات میں نیشاپور پہونچی تو چار سو دینار میں بکی تھی۔[۷]

---

۱ الفہرست لابن الندیم ص ۴۶ ۲ ایرج افشار، نسخ خطی اسلامی و سابقۂ تاریخ آنہا، ہنر و مردم، شمارہ ۱۱۲ (آذر ماہ ۱۳۵۱ ہ ش) ص ۴ ۳ نفح الطیب للمقری ج ۲ ص ۱۰۱ ۴ معجم الادباء ج ۶ ص ۱۴۷ - ۱۴۸ ۵ مصطفےٰ جواد، الثقافۃ العقلیۃ و الحالۃ الاجتماعیۃ فی عصر الشیخ ابو علی بن سینا، مجلۃ المجمع العلمی العراقی ج ۴، شمارہ ۵، شمارہ ۱ (۱۳۷۵ھ) ص ۵۰۲ ۶ عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۱۵۰-
۱۵۱ ۷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۳، ص ۱۰۹۲۔

(۱۹) غیر زبانوں سے ترجمہ شدہ کتابیں، اس قسم کی کتابوں کی قیمت عربی کتب کی نسبت زیادہ ہوتی تھی ہاتھوں ہاتھ نکلتی اور مملکتوں میں تاجروں کے ذریعہ دور دور تک پہونچ جاتی تھیں[۱]

(۲۰) وہ کتابیں جن کا چلن کم ہوتا یا جن کی طرف اہل علم کی رغبت کم ہوتی تھی، وہ بھی گراں ملتی تھیں،

(۲۱) کسی کتاب کا پہلا نسخہ جب کسی دیار میں پہونچتا وہ بعض اوقات بہت گراں قیمت میں بکتا، چنانچہ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابی زید قیروانی المتوفی ۳۸۶ھ/۹۹۶ء کا الرسالہ جو مالکی فقہ کے چار ہزار مسائل اور چار سو حدیثوں پر مشتمل مختصر و مقبول رسالہ ہے[۲]، جب افریقہ سے ایشیا آیا اور مرکز خلافت بغداد پہونچا تو فقیہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابہری المتوفی ۳۷۵ھ/۹۸۶ء کے حلقۂ درس میں اسے بیس (۲۰) دینار میں خریدا گیا تھا[۳]

قلمی کتابوں کی اہمیت و ندرت یا چلن یا رغبت کم ہونے کی وجہ سے گراں قیمت ہونے کے یہ وہ عوامل ہیں جو عہد عباسی میں کارفرما تھے کم و بیش آج بھی ان پر عمل کیا جاتا ہے، اور یہی وہ اساسی اصول ہیں جن کو مسلمانوں نے قلمی نسخوں کی علمی تحقیقات میں بنیاد بنایا، ان کے قیمتی اصول آج بھی تحقیقی متون میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور کتب خانوں کی عظمت و شہرت کا باعث ہیں، ان اصول سے ابن الندیم کی کتاب الفہرست میں اعتنا کیا گیا ہے، البتہ تاریخ کتب خانہ میں ہم نے استقراء و تتبع سے پہلی مرتبہ ان کا احاطہ اور انھیں مرتب و یکجا کیا ہے۔

**سستی کتابوں کے عوامل** کتابیں عام طور پر مروجہ نرخ پر ملتی تھیں لیکن بعض اوقات حسب ذیل اسباب کی وجہ سے کتابیں سستی بھی مل جاتی تھیں۔

(۱) جب حملہ ہوتا اور فوج کشی سے تباہی آتی، مدرسے، کتب خانے اور علمی خانوادے برباد ہوتے، وزیروں، امیروں کے محلات لٹتے اوباش کتابیں لے جاتے اور انھیں کوڑیوں کے مول بیچتے تھے۔

---

[۱] الفہرست لابن الندیم ص ۱۶۴ [۲] عمر الجیدی، نظرات فی تاریخ المذہب المالکی من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی، من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی الرسالہ: دعوۃ الحق شمارہ ۲۲۸ جمادی و رجب ۱۴۰۳ھ ص ۸۰ [۳] عبدالرحمن بن محمد الدباغ، معالم الایمان فی معرفۃ اہل القیروان تونس ۱۳۲۰ھ ج ۳ ص ۱۳۷ ایضاً عمر الجیدی من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی الرسالۃ دعوۃ الحق ص ۷۱۔



۵۹۸ھ میں عراق پر حملہ ہوا تو نیم دانگ[۱] میں ایک من کتابیں تول کے حساب سے بکی تھیں[۲]،

(۲) کبھی نا واقف لوگ فی الفور اپنی ضرورت کے لیے کتاب سستی بیچتے اور خریدار بلا طلب سستے داموں خرید لیتے تھے، ابن سینا کو ایک ضرورت مند سے بلا طلب ابو نصر فارابی کی کتاب ما بعد الطبیعہ اسی طرح کوڑیوں میں ہاتھ آئی تھی[۳]،

(۳) جب کوئی عالم مرتا اس کے ذخیرۂ کتب میں کتابیں نسبتاً سستی فروخت ہوتی تھیں، اس لیے اہل علم گنجائش نہ ہونے کے باوجود زیادہ تعداد میں کتابیں خریدتے تھے، چنانچہ ابن طرخان کے ترکہ سے ابو حیان توحیدی نے ۳۷۰ھ میں بہت سی کتابیں خریدی تھیں[۴]۔

(۴) ناقص اور عیب دار کتابیں سستی فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کے شوقین بعض نادار یا بخیل یا عیار و کتاب شناس شوقین عالم جب کتابوں کے ڈھیر سے کوئی کتاب نکالتے تو وراق اس کتاب کی اہمیت و ندرت کو پا لیتا اور اسی لحاظ سے وہ کتاب کے دام مانگتا تھا، مگر یہ کتابیں سستی خریدنے کی غرض سے غیر اخلاقی حرکت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، کتاب دیکھتے دیکھتے اس کو پھاڑ دیتے اور ورق نکال لیتے، اور کسی نہ کسی طرح کتاب میں نقص پیدا کر کے اسے کم قیمت میں خرید لیتے تھے، چنانچہ مشہور نحوی ابن الخشاب المتوفی ۵۶۷ھ اسی طرح کتاب خریدتا تھا[۵]، ابوالخیر مسیحی ابن ابی البقاء المتوفی ۶۰۸ھ کا بھی یہی وطیرہ تھا[۶]۔

(۵) شریف خاندان کی بعض مصیبت زدہ خواتین اپنا بھرم قائم رکھنے اور ضروریات زندگی پورا کرنے اور بدنامی سے بچنے کی خاطر خاندانی ذخیرے چوری چھپے اونے پونے بکواتی تھیں، اس طرح لوگوں کو سستی کتابیں مل جاتی تھیں، چنانچہ ہندو شاہ نخجوانی کا بیان ہے کہ ایک عورت اوراق و کراریس اور بڑے کاغذات کا پلندہ

---

[۱] دانگ، دانق کا معرب ہے یہ چھ رتی وزنی چاندی کا سکہ تھا [۲] راحۃ الصدور و آیۃ السرور، تالیف محمد بن علی الراوندی، تحقیق محمد اقبال ولیڈن ای. جی. بریل ۱۹۲۱ء ص ۳۳ [۳] انباہ الرواۃ للقفطی ص ۱۵ ج ۴ - ۱۶ [۴] اخلاق الوزیرین مثالب الوزیرین اخلاق الصاحب ابن عباد و ابن العمید لابی حیان التوحیدی، تحقیق ابراہیم کیلانی دمشق، دار الفکر ۱۹۶۱ء ص ۵۲ [۵] معجم الادباء ج ۴ ص ۲۸۰ - ۲۸۶ [۶] اخبار الحکماء للقفطی ص ۳۳۲ - ۳۳۳۔

بیچنے کے لیے میرے پاس لائی، بہت سستا دے گئی، میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ابن مقلہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک دفتر تھا[۱]

(۶) بعض وہ لوگ جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے انھیں ترکہ میں کتابیں ملتی تھیں، یہ کھڑے کھڑے سوق الوراقین میں دلالوں سے بولی لگوا کر کتابیں نکال دیتے تھے، اس قسم کی کتابیں بھی سستی مل جاتی تھیں[۲]

(۷) کال (قحط) پڑتا، اور لوگوں کے پاس کھانے کو نہیں رہتا تو بھی لوگ کتابیں سستی بیچ کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔

تاتاریوں نے بغداد کو تباہ کیا، اہل بغداد دانے دانے کو ترس گئے، اہل حلہ اور اہل کوفہ بغداد میں کھانے کا سامان لاکر بیچتے، اور اس کے عوض قیمتی کتابیں بہت ہی سستی خرید کر لے جاتے، اس طرح ذخیرہ اندوزی سے وہ بہت جلد مالدار بن بیٹھے تھے[۳] گویا قحط سالی نے زرعی معیشت کے کارکنوں (کسانوں) کے گھروں میں بھی کتابیں پہونچا دی تھیں۔

کتابوں کے سستا ہونے کے مذکورۂ بالا عوامل آج بھی اسی طرح کار فرما ہیں جس طرح عہد عباسی میں کار فرما تھے۔

---

[۱] تجارب السلف در تواریخ خلفاء و وزرائے ایشاں، از ہندو شاہ نخجوانی، تہران، مطبعہ فردین ۱۳۱۳ھ ص ۲۶۲،
[۲] اخبار الحکماء ص ۲۱۵ - ۲۱۶ھ۔ [۳] الحوادث الجامعۃ والتجارب النافعۃ لابن الفوطی، بغداد، المکتبۃ العربیۃ ۱۳۵۱ھ ص ۳۳۱۔